مولانا یحییٰ نعمانی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ

چند مشاہدات وتاثرات

کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ حافظے پر زور ڈالنے سے بھی یاد نہیں آتا کہ ان کا تذکرہ سب سے پہلے کب سنا اور ان سے واقفیت کا آغاز کس عمر میں ہوا۔ راقم سطور نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں تو گھر کی مجلسیں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے تعظیم و محبت آمیز تذکروں سے آباد تھیں، حضرت ہی نہیں، حضرت کے خاص متعلقین وخدام بھی اس درجے معروف تھے کہ ان کے نام بچوں کے لیے نامانوس نہیں تھے۔ اسی عمر میں حضرت مولانا محمد یونس صاحب کا تذکرہ ایک فاضل محدث، مسند حدیث پر حضرت شیخ الحدیث قدس سرّہ کے جانشین اور نہایت معتمد و مستند خلیفہ کے طور پر ہوا کرتا تھا۔ اسی وقت سے دل میں حضرتؒ کی محبت کا بیج بو یا گیا تھا،

محبت کے اس تعلق میں کسی قدر واقفیت اور ملاقات ومشاہدات سے عقیدت و عظمت کا رنگ پیدا ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔

حضرت مولانا محمد یونسؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کی امامت کا مقام عطا فرمایا تھا۔ وفات کے بعد لوگوں کی زبان پر ان کے لیے امیر المؤمنین فی الحدیث کا لقب جاری ہے۔ القاب کی کثرت اور غلو کے دور میں بھی اس استعمال کو بہر حال صحیح کہا جائے گا۔ بلا مبالغہ اِس دور میں وہ ''امیر المؤمنین فی الحدیث'' کے اُس لقب کے مستحق تھے جس سے کسی دور میں حضرت سفیان ثوریؒ، شعبہ ابن الحجاجؒ، اور امام بخاریؒ کو یاد کیا جاتا تھا۔ دوسری طرف تعلق مع اللہ، عبدیت وانابت، حضور و تبتل اور سلوک وطریقت میں بھی نہایت اونچا مقام رکھتے تھے۔ علم و عمل کی یہ جامعیت ان کا امتیاز اور ان کے اکابرِ سلسلہ کی خاص میراث تھی۔

حضرت کی سب سے پہلی زیارت اس وقت ہوئی جب یہ عاجز مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں پہونچا۔ تعلیمی سال کا آغاز ہوا ہی چاہتا تھا کہ معلوم نہیں کس تقریب سے حضرت مولاناؒ تشریف لائے۔ اللہ والد ماجد دامت برکاتہم کو سرخ رو کرے، وہ لے کر گئے، وہ مبارک لمحہ اچھی طرح یاد ہے، حضرت کا وہ نورانی وپر رعب ووقار چہرہ اور توجّہ الی اللہ کی ہویدا کیفیت گویا آنکھوں کے سامنے ہے۔ والد ماجد دامت برکاتہم

نے حضرت کی خدمت میں یہ کہہ کر دعا کی درخواست کی کہ حضرت یہ اس سال مشکوٰۃ شریف پڑھے گا۔ حضرت نے صرف ایک مختصر اور سادہ جملہ فرمایا:

کلام نبوی سمجھ کر پڑھنا۔

آج تک یہ جملہ رہ رہ کر یاد آتا ہے، حدیث شریف کے کسی طالب علم کو اس سے بہتر اور جامع نصیحت نہیں کی جاسکتی۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ اسی جملے میں حضرتؒ کے تمام کمالات واوصاف کا راز بھی پنہاں ہے۔ حدیث نبوی ہی ان کا اوڑھنا بچھونا، اسی کا عشق ان کی غذا اور اسی کا تذکرہ ان کا شوق اور اسی کی اتباع ان کا مقصد زندگی تھا۔ زندگی میں اس کے علاوہ کوئی امنگ تھی نہ حوصلہ، نہ کسی شے میں لذت نہ کشش۔ عشق رسول نے ان کو حدیث کا اسیر وخادم نہیں بنایا تھا، بلکہ یہ حدیث شریف تھی جس نے ان کے دل میں محبت رسول کی حرارت اور وارفتگی کی سوزش پیدا کردی تھی۔

اس پہلی زیارت کے بعد لمبی مدت تک حضرت کی کسی زیارت کا موقعہ نہیں پیش آیا، حضرت پہلے تو بالکل ہی سفر نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت مکمل ہوگئی۔ اب حضرت والد ماجد مدظلہ نے مجھے لے کر ایک سفر

دیوبند وسہارنپور کا پھر فرمایا۔اور دونوں جگہ درس کی سماعت اور مشائخ کی خدمت میں حاضری کا موقعہ ملا۔ حضرت مولانا یونس صاحبؒ کے یہاں فجر بعد مجلس ذکر میں حاضری ہوئی، طالبین قیام گاہ کے باہر کے کمرے میں اور حضرت اندر ذکر جہری میں مشغول ہوگئے۔ اس وقت حضرت قادری سلسلہ کا ایک جہری ذکر فرمارہے تھے۔ اس وقت بعض خاص اسباب کی وجہ سے میرا حال یہ تھا کہ اگرچہ اپنے ان مشائخ واکابر سے قلبی عقیدت تھی مگر تصوف اور اس کے اعمال کے بارے میں ذہن انہی سطحی اشکالات کا شکار تھا جو اکثر لوگوں کو کسی محقق سے رابطے سے پہلے پیش آتے ہیں۔ خوب یاد ہے کہ اپنی ناسمجھی سے میں اس طریقۂ ذکر پر مطمئن نہیں تھا۔

یہ سن 1992 کی بات ہے۔ تصوف اور اس کے اعمال واشغال پر غور ومطالعے کے نتیجے میں یہ عدم اطمینان کی کیفیت جلد ہی ختم ہوگئی۔ میں مزید تعلیم کے لیے مدینہ طیبہ چلا گیا۔ وہاں عالم اسلام کے مختلف علمی ودینی حلقوں کو قریب سے دیکھا، سچی بات یہ ہے کہ سب کو دیکھنے کے بعد اپنے اکابر ومشائخ کی علمی عظمت، مسلک وطرز اور ذوق ومزاج کی قدر غیر معمولی طور پر بڑھی۔ حضرتؒ وہاں عمرے وزیارت کے لیے تشریف لاتے، زیارت وملاقات کا شرف ملتا۔ حضرت مولانا منظور نعمانیؒ اور والد ماجد مدظلہ کی وجہ سے حضرت بڑی شفقت وعنایت کا معاملہ فرماتے

تھے۔ میں نے ارض حرمین میں حضرت پر بعض وقت ہیبت وخوف اور عظمت وادب کے جو نقوش دیکھے وہ نا قابل بیان ہیں۔ کثرت سے گریہ طاری ہوتا، ہیئت سراپا غلامانہ اور انداز بھی ادب ونیاز کی تصویر ہوتا۔ جس کا دیکھنے والوں پر بھی عجب اثر پڑتا۔ لوگوں کو اللہ کے مقام بلند کو یاد دلاتے۔ بارگاہ عظمت میں انبیاء علیہم السلام کے خوف وہیبت اور خشوع وتذلل کے حال کا تذکرہ کرتے۔

اس دور کا ایک واقعہ یاد آتا ہے، مکہ میں حضرت مکتبہ امدادیہ تشریف لے گئے، کچھ کتابیں خریدیں، میں حرم سے ہی ساتھ تھا۔ ایک صاحب ساؤتھ افریقہ کے آگے بڑھے، انہوں نے ایک رقم ہدیہ میں پیش کی۔ بار بار دیکھا کہ حضرت اَن جان لوگوں سے ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ مگر واپس کرنے کی ادا بھی کیسی نرالی تھی، پوری احتیاط کہ کہیں کبر وتعلّی کا شائبہ نہ پیدا ہو جائے، فرمایا: بھائی! میرا کام تو ہدیے سے ہی چلتا ہے، مگر میں اجنبی آدمی سے کیسے لے لوں؟

علم حدیث میں تبحّر کی شان کی وجہ سے عرب علماء یہاں تک کہ بڑے متصلب سلفی علما تک گرویدہ ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر عاصم قریوتی جیسے سلفی مزاج حضرات حضرت سے استفادہ کرتے اور بڑی محبت وتعظیم کرتے اور حضرت کے حجاز کے سفر کے مشتاق رہتے تھے۔ حضرت بھی ان کے عربی نسب اور ارض حرمین کی نسبت کی وجہ

سے ان سے بڑی ملاطفت واکرام کا معاملہ فرماتے۔اور اپنی مجلسوں میں ان حضرات کا تذکرہ فرماتے۔

1998 میں میری ہندوستان واپسی ہوئی۔اس کے دو ایک سال کے اندر ہی دل میں باقاعدہ تلاش مرشد کا خیال پیدا ہوا۔ صحیح سن یاد نہیں، لیکن میں نے اسی سلسلے میں سہارنپور کا سفر کیا، متعدد جگہوں پر حاضری ہوئی۔ حضرت کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی۔ میں نے لکھنؤ سے خط کے ذریعے اپنی تلاش کے مقصد کا بھی حضرت سے اظہار کر دیا تھا۔ حضرت نے مشائخ کے خاص طرزِ احتیاط کے مطابق اس مرتبہ شفقت کا کم اظہار فرمایا۔

میں وہاں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔میری کشمکش یہ تھی کہ دل حضرت کی جانب بہت کھنچتا تھا، مگر حضرت کا رعب اور مزاج کی نزاکت مانع تھے۔ دل کہتا تھا کہ تو نادان حضرت کی دل آزاری کر بیٹھے گا۔اپنے بزرگوں میں مجھے کسی سے اتنا ڈر نہیں لگا جتنا حضرت سے۔ خیال ہوتا تھا کہ میں فائدہ نہیں اٹھا پاؤں گا۔اس کے علاوہ ایک مسئلہ یہ تھا کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کا قیام مدرسے کے مہمان خانے میں ہوتا تھا،اور مجھے اس میں بھی تکلف ہوتا تھا کہ میں آؤں اپنی غرض سے،اور قیام مدرسے کے مہمان خانے میں کروں۔

پھر ۲۰۰۵ میں مرشدنا بقیۃ السلف حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ حضرت رائے پوریؒ) کے یہاں حاضری ہوئی اور دل نے کہا کہ ''جاایں جاست''۔ حضرت والا مدظلہ سے بیعت واسترشاد کا تعلق قائم ہونے کے بعد جب بار بار حضرت کی خدمت میں حاضری اور قیام کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ معمول بنا لیا گیا کہ سنسار پور سے ایک دن حضرت مولانا یونس صاحبؒ اور حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری دی جائے۔اس طرح حضرتؒ کی زیارت وملاقات کے بار بار مواقع ملنے لگے۔

ان مجالس میں حاضری سے اندازہ ہوا کہ اب تک حضرت والاؒ کے مقام وحال کے بارے میں جو اندازہ قائم کیا گیا تھا وہ ناقص تھا۔ کسی قدر غور سے حضرت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت کا خاص وصف انابت واخبات کا نہایت قوی حال ہے جو اس دور میں کم یاب ہے۔ کبھی کبھی مجلس میں محسوس ہوتا کہ حضرت کسی اور حال ومقام میں ہیں۔ حضرت کی ان قلبی کیفیات اور یقین واذعان کا اثر یہ ہوتا تھا کہ بعض وقت ایسی عام باتوں میں (جیسی تمام ہی داعی و مصلح کرتے ہیں) ایک عجب تاثیر اور کشش محسوس ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ حاضری ہوئی، حضرت شدید نمونیہ کے شکار تھے، مرض کی شدت کا یہ عالم تھا کہ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ مرض وفات ہی نہ ثابت ہو۔آنے والوں کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جارہی تھی۔ شیشے میں سے حضرت کی مجھ پر نظر پڑ گئی، بلالیا۔ میں خاموش بیٹھ گیا۔ مرض کی شدت اور ضعف کا یہ عالم تھا کہ اپنے دَم پر بیٹھنا بھی ممکن نہ تھا، سامنے کی میز پر سینہ ٹِکا ہوا تھا۔ سانس بھی بڑی تکلیف سے آرہی تھی۔ اِس حال میں بھی مسلسل ذکر ودعا میں مشغول اور توجہ الی اللہ کے آثار ظاہر تھے۔ کچھ دیگر افراد کو، جن میں بعض حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کے اقارب بھی تھے بلالیا گیا تھا۔ ماحول پر ایک عجب قسم کی سکینت کا نزول ہورہا تھا اور غالباً سب ہی کو محسوس ہورہا تھا۔ تمام ضعف وتکلیف کے باوجود قوت مجتمع کرکے کچھ نصیحت وافادہ شروع فرمایا: بچو! روزانہ ایک پارہ نوافل میں پڑھا کرو۔ ترقی صرف اعمال سے ہوتی ہے۔ صوفیہ کے اشغال واوراد اصل میں اعمال میں رنگ پیدا کرنے کے لیے ہیں، لیکن ترقی صرف اعمال سے ہوتی ہے۔(خط کشیدہ جملے کے الفاظ میرے ہیں لیکن مضمون ان شاءاللہ حضرت ہی کا ہے)۔

اسی حال میں کھانا آگیا، بمشکل تمام کچھ کھاسکے، یہ عاجز خوب غور سے دیکھ رہا تھا، اس حال میں بھی ٹیک لگا کر نہیں کھایا، کہ سنت کے خلاف ہے۔ کھانے کے بعد کئی

مسنون دعائیں، جو حدیث شریف میں کھانے کے بعد کے سلسلے میں آئی ہیں، یکے بعد دیگرے پڑھیں۔ اور صاف محسوس ہوا کہ بڑے قلبی استحضار اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر پڑھیں۔

سنتے تھے کہ حضرت کے یہاں کشف بہت ہے۔ ایک مرتبہ حاضری ہوئی، اور جو اپنی آنکھوں سے دیکھا اس سے بہت ڈر لگا۔ ایک نوجوان عالم نے نصیحت کی درخواست کی، حضرت نے فرمایا: تم شادی کرلو، میں نے تم کو فلاں وقت دیکھا تھا، تمہارے چہرے پر ایک نور تھا، اب تمہارے اندر نگاہ کی بیماری ہے، فکر کرو۔ ۔۔۔۔ اللہ اُن صاحب کو دینی و دنیاوی ترقی عطا فرمائے، انہوں نے اعتراف کیا کہ ان سے یہ غلطی ہوتی ہے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ لندن کے ایک بڑے صالح عالم وداعی حضرت مولانا یونس صاحب (دودھ والا) نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت نے لندن کی ایک مجلس میں ایک اجنبی نوجوان سے، جس کو حضرت بالکل جانتے نہیں تھے، مخاطب ہو کر فرمایا: اے، تو بھنگی ہے، حافظ قرآن ہو کر بھنگی ہے؟۔ مولانا نے بتایا کہ وہ نوجوان حافظ قرآن تھا اور کاونسل کی طرف سے لوگوں کے گھر سے کوڑا اٹھانے کا کام کرتا تھا۔ حضرت کے اس ارشاد کے بعد اس نے وہ کام ترک کر دیا۔

علم حدیث میں تبحر کا یہ حال تھا کہ ان کے بڑے بھی ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ والد ماجد مد ظلہ سناتے ہیں کہ ان کے سامنے حضرت مولانا علی میاںؒ نے حضرت مولانا منظور نعمانیؒ سے کہا کہ میں نے ایک حدیث کے بارے میں حضرت شیخ سے سوال کیا، انہوں نے میرا سوال مولانا یونس صاحب کی طرف محوّل کر دیا، مولانا یونس صاحب نے فوراً جواب دے دیا تو مجھے حیرت ہوئی، اس پر حضرت شیخ نے فرمایا: مولوی یونس اگر کسی روایت کے بارے میں کہہ دیں کہ صحاح ستہ میں نہیں ہے، تو پھر نہیں ہے۔

حدیث سے شغف اور محدثین سلف کے ساتھ معنوی صحبت و مجالست نے ان کے اندر ایک مجتہدانہ ذوق پیدا کر دیا تھا، یہ ذوق ان کو ہمارے حلقے میں منفرد بناتا تھا، مگر حضرت کی وسعت نظر اور ذہنی کشادگی کا یہ عالم تھا کہ ان کو اپنی آرا پر کوئی اصرار نہیں تھا اور نہ دوسری آرا رکھنے والوں سے کوئی بُعد۔ ایک مرتبہ اس عاجز سے فرمایا کہ مجھے امام احمد ابن حنبل اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہما سے جو محبت ہے وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نہیں ہے، پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ مجھے اُن کے علم سے زیادہ فائدہ پہنچا ہے۔

راقم سطور کو اسماء وصفات (خصوصا صفات خبریہ) کے سلسلے میں نہ معروف ''سلفی'' موقف پر اطمینان تھا جس کے داعی علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیمؒ ہیں (جس میں غلو فی التأویل کے ردّ عمل میں اثبات میں بات اتنی آگے بڑھ گئی ہے کہ تشبیہ و تجسیم کا گمان ہوتا ہے) اور نہ متأخرین متکلمین کے طرز تاویل پر اطمینان تھا۔ خیال ہوتا تھا کہ حق اور صحابہ وسلف کی روش اس کے بیچ میں کہیں ہونی چاہیے۔ ایک مرتبہ مجلس میں یہ موضوع نکل آیا، حضرت نے بڑی سہولت سے مسئلہ حل فرمادیا۔ فرمایا کہ سلف تو بس ''أمرّوھا کما جاءت'' کے قائل تھے۔ مگر بعد میں شبہات کے مرض کے علاج کے لیے علماء کو تاویل بھی کرنی پڑی۔ غلطی یہ ہوئی کہ جو چیز محض ضرورۃً اور دوا کے طور پر اختیار کی گئی تھی لوگوں نے اس کو مستقل کی چیز بنا لیا۔ (یعنی بے ضرورت بھی تاویل کرنے لگے)۔

حضرت نے یہاں دوا اور علاج کے عام فہم لفظوں سے بڑی گہری حقیقت بیان فرمادی۔ ہمارے حضرات کا یہی موقف رہا ہے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بیان القرآن (سورۂ اعراف آیت: 55) میں دونوں کو جمع فرمایا ہے، اور ملفوظات میں اس پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے بعینہ اسی موقف کا اظہار فرمایا ہے، اور تاویل کو

شبہات کے علاج کے لیے بس ضرورۃً اختیار کی جانے والی چیز بتلایا ہے) اور اپنے رسالے تمہید العرش کا بھی حوالہ دیا ہے۔

اس تبحر اور ناقدانہ نظر کے باوجود کبھی کسی معاصر یا غیر معاصر کی تنقیص نہیں فرماتے۔ ایک مرتبہ مجھ کو نصیحت فرماتے ہوئے کہا: مولوی یحییٰ! کبھی کسی کی تنقیص نہ کرنا۔ میں نے کبھی کسی کی تنقیص نہیں کی۔ اپنی بات کہہ دیتا تھا مگر کسی کی تنقیص نہیں کی۔ پھر گریہ طاری ہو گیا اور بڑے عجیب انداز سے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں گویا ڈوب کر فرمایا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ بڑے غنی ہیں، ڈرنا چاہیے۔

حضرت اپنے بچپن کے استاد مولانا ضیاء الحق صاحب کا بہت ممنونیت سے تذکرہ فرمایا کرتے تھے، لگتا ہے کہ محبت حق کا بیج انہوں نے ہی دل میں بویا تھا۔ اکثر ان کو صرف مولانا کہہ کر یاد کرتے اور ان کی تربیت و تعلیم کے واقعات سناتے۔

ایک مرتبہ حاضری ہوئی اور بڑی سبق آموز بات دیکھی۔ لکھنؤ کے حاجی ہارون قریشی صاحب بھی ساتھ تھے، دیکھا کہ حضرت اپنے خادم سے پوچھ رہے ہیں کہ ''اُس لفافے میں پیسے رکھ دیے؟'' پھر تاکید کی کہ اُس کا حساب رکھنا۔ مجھے پوری رقم ادا کرنی ہے۔ پھر ہمیں قصہ بتایا کہ ایک صاحب نے ستّر ہزار روپے بھیجے، میں نے خرچ کر لیے۔ بعد میں انہوں نے لکھا کہ یہ زکاۃ کی رقم تھی۔ اب میں دھیرے

دھیرے ادا کر رہا ہوں۔ اسی موقعے پر اس عاجز نے کچھ رقم خدمت میں پیش کی: فرمایا تمہارا کوئی کاروبار تو ہے نہیں۔ تم کیوں دے رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت کشادگی ہے، سہولت سے پیش کر رہا ہوں، بڑی بشاشت سے رکھ لیے۔ پھر حاجی ہارون صاحب نے بھی کچھ پیسے پیش کیے۔ فرمایا میں آپ کو نہیں جانتا، آپ سے نہیں لوں گا۔ میں نے عرض کیا ان کا ہدیہ حضرت مولانا نعمانیؒ قبول فرماتے تھے۔ بس اُن سے بھی لے لیے۔

مجھ سے کبھی کبھی حضرت مولانا نعمانی کا تذکرہ کرتے، ان سے محبت و عقیدت کا اظہار کرتے اور ان کی اتباع کی تاکید کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا علی میاںؒ کا تذکرہ تھا، حضرتؒ کی عسرت کے دور کو یاد کرتے ہوئے فرمایا پورب میں لوگ اللہ والوں کی مالی خدمت کا ذوق کم رکھتے ہیں۔ اسی مجلس میں حضرت مولانا علی میاںؒ کے اس کمال کا تذکرہ کیا کہ مولانا کی مجلس ذکر غیر (یعنی غیبت وغیرہ) سے بالکل پاک تھی۔

حضرت کی مجلس ہمیشہ تعلیم و تلقین کی مجلس ہوتی۔ آنے والوں کی کمیوں پر ٹوکنا ہوتا۔ ایک مرتبہ مجھ سے کہا: یہ تم کو کیا ہو گیا؟ تمہارا پاجامہ تنگ کیوں ہے؟ ڈھیلا ہونا چاہیے۔ میں نے اصلاح کا وعدہ کیا، خوش ہوئے اور دعا دی۔ اس عاجز کو الحمد للہ

پہلے بھی کچھ اس کا اہتمام تھا، مگر حضرت کے ٹوکنے کے بعد مزید اہتمام کی توفیق ہو گئی۔

حضرت کے بارے میں مشہور تھا کہ سختی بہت ہے۔ میں نے نزاکت اور ذکاوتِ حس کا تو خوب اندازہ کیا، لیکن سختی تو ذرا نہیں تھی۔ سراپا شفقت و محبت تھے۔ خصوصا طلبہ و علماء کے لیے تو بڑی شفقت تھی۔ ان کی تکلیف برداشت نہ ہوتی۔ کسی کو مشکل میں پاتے تو ضرور مدد بھی کرتے اور گریہ وزاری سے دعا بھی کرتے۔ اس سیہ کار پر حضرت مولانا نعمانیؒ اور والد ماجد دام ظلہ کی وجہ سے بڑی ہی عنایت تھی۔ کبھی کوئی عطر عنایت فرماتے۔ اکثر و بیشتر میری صبح دس بجے کے قریب حاضری ہوتی، تقریباً ہمیشہ کھانا کھا کر ہی جانے دیتے۔ اس مرد قلندر کا کوئی گھر بار تو تھا نہیں، صوفی منش طالب علم کا دربار تھا، مگر پھر بھی خدام کو کچھ اہتمام کا حکم دیتے، کبھی باہر سے سالن یا کچھ اور منگواتے، اور ایک دلچسپ چیز کا تو اکثر ہی حکم ہوتا "دیکھو! مدرسے کی دال کی تہذیب کر لینا" یعنی اس کو اچھی طرح بگھار لینا۔ کبھی فرماتے: یہ مولوی صاحب اب پورب کے ہو گئے ہیں، ان کے لیے چاول بنالو۔

میرے لیے بزرگوں کی شفقت بھی مسئلہ پیدا کرتی تھی۔ سنسار پور میں حضرت والا دامت برکاتھم کے یہاں سے کھانا آتا تھا، اور حضرت والا خود میرے کھانے کے

بارے میں دریافت فرماتے تھے کہ کھانے میں کیا جارہا ہے۔اب کشمکش یہ ہوتی کہ حضرت شیخؒ کے یہاں کھاؤں تو کہیں حضرت والا کو محسوس نہ ہو،اور مجھے اس سے بھی ڈر لگتا کہ حضرت شیخؒ کی طبع نازک پر میری معذرت بار نہ ہو اور مجھے حضرت کی گرانی سے نقصان نہ پہنچ جائے۔اس لیے کھاضرور لیتا۔

اس سیہ کار پر عجیب عنایت تھی،(اوراس میں میری کوئی خصوصیت نہیں،اللہ والوں کی سبھی پر عنایات ہوتی ہیں)۔ایک مرتبہ حاضر ہوا،اس مرتبہ بھی مشفقی حاجی ہارون صاحب ساتھ تھے۔پوچھاسنسارپور سے آرہے ہو؟میں نے کہا: جی ہاں؟ پھر وہیں واپس جانا ہے؟ عرض کیا: جی، ارشاد فرمایا، (اور یہی الفاظ تھے کہ) ”ویسے یحییٰ میں تمہارے بڑے انتظار میں تھا“۔میں اشارہ سمجھ گیااور شرم سے پانی ہو گیا۔امید ہے کہ یہ جملہ قیامت کے دن میرے کام آئے گا۔

آخرت کے استحضاراور فکر کی شان ہمیشہ نظرآتی۔بڑی التجاسے عفو ونجات کی دعا مانگتے، گریہ وبکا سے کم ہی مجلس خالی جاتی، اہل غفلت بھی حضرت کی مجلس میں نمناک ہوتے۔ اتباع سنت کا بڑااہتمام والتزام تھا۔ان حضرات کا سنت سے یہ شغف دیکھ کر بار بار سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا یہ ارشاد یاد آتا تھا کہ: ہمارے اس طریق میں اتباع سنت سے ہی سلوک طے ہوتا ہے۔بیماری میں بھی کبھی

ٹیک لگا کر کچھ نہیں کھاتے یا پیتے تھے۔لباس پہننے میں دایاں ہی ہمیشہ پہلے پہنتےاور اتارنے میں بایاں ہی اتارتے۔ہر موقعے کی مسنون دعاکااہتمام تھا۔

زہد اور دولت ومال سے بے رغبتی ایسی تھی کہ اس کو دیکھ کر بزرگوں کے واقعات پر یقین کرنا آسان ہوتا تھا۔اللہ تعالیٰ سے توکل و تبتل کے خاص تعلق کے نتیجہ میں لایحتسبی نعمتوں کی بارش تھی، مگر حضرت والا کو گویا مال سے کچھ رغبت ہی نہیں ہوتی تھی، وہی سادہ زندگی، سادہ کھانا، سادہ لباس اور فقیرانہ شان، ساری زندگی زمین ہی بستر رہا۔ جو آتا سب ہی خرچ ہو جاتا۔ گھر بنوایا، مدرسے کو دے دیا۔ کبھی ہزاروں بلکہ لاکھوں آگئے، مگر بچا کے نہ رکھے گئے۔

اسی زہد نے ان میں استغنا وغیرت کی عجیب شان پیدا کردی تھی، کسی امیر وکبیر کی نگاہ میں کچھ وقعت نہ ہوتی۔ بڑے بڑے تجار، یاافسران بے وقعت اور خادمانہ حاضری دیتے، مگر حضرت کو ان سے صرف نصیحت اور دعا گوئی کا تعلق ہوتا۔علماء وداعیان دین کے لیے اللہ والوں کی یہ شان بہت لائق تقلید ہے۔

اہل اللہ کے یہاں اگر طالبانہ حاضری دی جائے تو اکثر اللہ تعالیٰ تعلیم وافادہ کے مواقع پیدا فرمادیتے ہیں۔اکثر ہی کچھ خاص چیز یا منظر دیکھ کر آنا ہوتا۔ایک مرتبہ ایک مدرسے کے ذمے دار مولانا حاضر ہوئے۔اپنے علاقے کے ایک بڑے سرکاری افسر کو

بھی لے کر آئے تھے۔ مجھ نادان کو بھی ان کے آنے کے انداز سے اور اُن مولانا صاحب نے جس طرح ان افسر کا تعارف کرایا اس سے کچھ اچھا احساس نہیں ہوا، لگا کہ حضرت کی خدمت میں لانے کا کوئی دینی مقصد نہیں افسر صاحب سے تعلقات بڑھانا مطلوب ہے۔ جب مجھے ایسا محسوس ہو گیا تو حضرت کی فراست نے تو نہ جانے کیا کیا دیکھ لیا ہو گا۔ چند لمحوں میں ہی فرمایا: ان کو کیوں لائے ہو؟ ان سے کہو اللہ کا حکم مانا کریں۔ بس جاؤ ان کو لے جاؤ۔ اور پھر ذکر میں مشغول ہو گئے۔

اہل اللہ کو دیکھنے کا خوب موقعہ ملا۔ مگر حیف! یہ سیہ کار ناقدری کرتا رہا اور محروم رہا۔ اب یادیں ہیں اور حسرتیں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کیے

اب جو خاصان خدا باقی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔